© rasailojaraid.com

طلاق کے احکام

(آخری قسط)

عمر احمد عثمانی

[فاضل مقالہ نگار کے مضمون کی یہ آخری قسط ہے - اس سے پہلی قسط میں موصوف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، تو انہیں نافذ قرار دیا جائے، ذکر کیا تھا اس دفعہ آپ نے حضرت عمر کے اس فیصلے کے تاریخی پس منظر پر بحث کی ہے -

— مدیر]

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیوں فرمایا تھا اور وہ کیا حالات و وجوہ تھے جن کے ماتحت ان کو یہ فیصلہ فرمانا پڑا - روایات حدیث میں صرف اتنی بات ہی بیان کی گئی ہے کہ لوگ پے در پے تین طلاقیں دینے لگے تھے - لیکن لوگ کیوں پے در پے تین طلاقیں دینے لگے تھے؟ اس کی وجہ روایات حدیث نے بیان نہیں کی - اس کے لئے ہمیں تاریخی روایات کی طرف رجوع کرنا ہوگا - مورخین نے اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ ہم یہاں محمد حسین ہیکل کی مشہور کتاب ''الفاروق عمر رض'' سے نقل کرتے ہیں - وہ لکھتے ہیں کہ :

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی ایک نص میں اجتہاد فرمایا تھا جس کی آج ہم سب ہی مخالفت کر رہے ہیں - حق تعالیٰ کا ارشاد تھا (طلاق دو مرتبہ ہوسکتی ہے - پھر یا تو خوش اطواری کے ساتھ بیوی کو (رجوع کر کے) روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ اسے رخصت کر دینا ہے) اس کے بعد فرمایا تھا کہ '' (اس کے بعد اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی تا آنکہ وہ اس کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرلے)" ظاہر ہے کہ اس نص کا مقصود یہ تھا کہ طلاق عملاً ایک مرتبہ، پھر دوسری مرتبہ (وقفہ کے ساتھ) واقع ہو۔ اور دونوں مرتبہ کے بعد شوہر کو حق ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے لیکن جب وہ تیسری مرتبہ طلاق دے دیتا تھا تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی تھی تا آنکہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ اس نص کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔ کیونکہ طلاق، حیات زوجیت کو قطع کر دینے کا نام ہے جس پر غیر معمولی نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان کا اثر دونوں میاں بیوی پر پڑتا ہے بلکہ ان سے تجاوز کر کے ان کی اولاد تک متعدی ہوتا ہے اور عموماً اس کے اثرات ان کی اولاد کے لئے عمر بھر کے لئے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے پہلی مرتبہ کی اور دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد اسے جائز رکھا تھا کہ شوہر اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ اور یہ بھی اشارہ کر دیا تھا کہ طلاق دینے سے پہلے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کی جا چکی ہو۔ چنانچہ قرآن کریم نے بتایا تھا کہ " (اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان نزاع کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ خاوند کے خاندان سے اور ایک پنچ بیوی کے خاندان سے مقرر کردو۔ اگر یہ دونوں پنچ اصلاح کی کوشش کریں گے تو خدا میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی صورت پیدا کردے گا) " لیکن جب صلح و صفائی کا امکان دشوار ہو جائے اور طلاق کے ذریعہ سے جدائی ہو جائے تو اس کے باوجود شوہر کو دو مرتبہ رجوع کا حق دیا گیا۔ اور یہ بات اچھی طرح جتا دینے کے لئے کہ میاں بیوی اس کے بعد ازدواج کے تعلق یوں منقطع کر دینے کو معمولی بات نہ سمجھیں۔ قرآن کریم نے یہ قانون مقرر کر دیا کہ تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد پھر شوہر کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہے گا اس کے بعد وہ اس شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد ہی سے نکاح کرسکے گی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہدے کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں"۔ تو اس طرح ایک طلاق ہی واقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق دراصل ایک عمل اور فعل ہوتی ہے جو وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ کوئی بات یا قول نہیں ہے جسے محض زبان سے بول دیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں صورت حالات یہی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رض سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رض کے عہد میں اور حضرت عمر رض کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوا کرتی تھیں پھر حضرت عمر رض نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی سے کام لینا شروع کردیا ہے جس میں انہیں صبر و وقار سے کام لینا چاہئے تھا۔ لہذا کیوں نہ ہم ان کی تینوں طلاقوں کو نافذ کردیں؟ چنانچہ انہوں نے تینوں طلاقیں نافذ کردیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے کیوں ہوئی اور انہوں نے اس کو کیوں نافذ فرما دیا حالانکہ یہ رائے ظاہر نص اور ظاہر حکمت کے خلاف تھی؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سبب کو تلاش کریں جو اس آیت کے نزول کا باعث بنا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد محمد حسین ہیکل نے تفصیل کے ساتھ ان حالات کا جائزہ لیا ہے، جو زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں طلاق کے سلسلہ میں پائے جاتے تھے اور جو عورتوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور اذیت رساں تھے - طلاق کا ادارہ عورتوں سے انتقام لینے کا ایک ذریعہ بن گیا تھا - لوگ طلاقیں دیتے تھے اور عدت گذرنے کو آتی تو رجوع کر لیتے تھے - اسی طرح کی پھر طلاق دے دیتے اور پھر رجوع کرلیتے تھے- نہ طلاقوں کی کوئی حد تھی اور نہ رجوع کرنے کی - اسی طرح شوہر نہ تو حقوق زوجیت ادا کرتے تھے اور نہ انہیں الگ ہونے دیتے تھے - غریب عورتیں بیچ میں لٹکی رہتی تھیں - ان حالات وکوائف کی اصلاح کے لئے قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئی تھیں - اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ :-

''اغلب گمان یہ ہےکہ جو لوگ حضرت عمر رضہ کے عہد میں اپنی بیویوں کو طلاقیں دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد بیویوں کے ساتھ مہربانی کا کوئی سلوک نہیں کرتے تھے - بات یہ تھی کہ عراق اور شام سے گرفتار ہو ہوکر بیشمار عورتیں آ گئی تھیں - مدینہ منورہ بلکہ تمام جزیرۂ عرب کے لوگ ان کے حسن و جمال کے گرویدہ ہورہے تھے - لہذا لوگ اپنی بیویوں کو دھڑا دھڑ طلاقیں دینے لگے تھے تاکہ ان حسین و جمیل لڑکیوں کی رضامندی حاصل کرسکیں جو ان کے دلوں پر قبضہ جما چکی تھیں - یہ لوگ تین طلاقیں ایک ہی لفظ سے دیتے تھے تاکہ وہ ناز آفرین حسینائیں بھی مطمئن ہوجائیں کہ اب وہ شوہروں کے دلوں پر تنہا حکمرانی کرسکیں گی (اور انہیں رجوع کرلینے کا حق بھی حاصل رہے -)
ممکن ہے کچھ دوسرے اسباب بھی ہوں جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کو اس ابتدائی دور میں تین طلاقوں کو کھیل اور مذاق بنانے پر ابھارا ہو، جس سے عورتوں کو ضرر اور نقصان پہنچانا مقصود ہو - ان اسباب میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آدمی دوسری بیوی کرنا چاہتا تھا، خواہ عرب عورتوں میں سے یا عجمی عورتوں میں سے - یعنی گرفتار شدہ عورتوں کے علاوہ عجم کی آزاد عورتوں میں سے - تو یہ عورتیں عربوں سے شادی کرنے کیلئے اس طرح کی شرطیں لگاتی تھیں کہ پہلے اپنی پہلی بیوی کو ایسی طلاق دے دو کہ وہ تمہارے لئے حلال نہ رہے اور تمہارے علاوہ، وہ کسی اور مرد ہی سے شادی کرسکے - چنانچہ لوگ اپنی پہلی بیویوں کو تین طلاقیں دے کر ان عورتوں سے شادی کر لیتے تھے) لیکن وہ بعد میں اپنی ان پہلی بیویوں سے تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کر لیتے تھے - اس کی وجہ سے گھروں میں ایک شدید قسم کا نزاع برپا ہو جاتا جس کی وجہ سے گھروں کا امن و سکون درہم برہم ہو جاتا تھا اور لوگوں کی زندگیاں تلخ ہو جاتی تھیں - (۱)

(۱) ''الفاروق عمر'' محمد حسین ہیکل، ج ۲، ص ۲۸۳، ۲۸۵، مطبعہ مصر شرکتہ مساھمہ، قاھرہ ۱۳۶۴ ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد حسین ہیکل صاحب نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عرب کے لوگ دو گونہ متضاد رجحانات کا شکار ہو رہے تھے - ایک طرف تو ان میں عربیت کے لئے شدید قسم کی عصبیت پائی جاتی تھی - ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ان کی نسل عرب کی آزاد عورتوں سے چلے - جو بچے عجمی عورتوں سے پیدا ہو جاتے تھے انہیں عرب معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا - اس لئے وہ اپنی عرب بیویوں سے کسی قیمت پر دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے - صورت حال یہ تھی کہ عرب کے لوگ ان عربوں کی اولاد کو جو کسی عجمی عورت کے بطن سے پیدا ہو جاتی تھی هجین (عیب دار) کہتے تھے - لسان العرب میں ہے کہ الھجنۃ من الکلام ایسی بات کو کہتے تھے جو لوگوں کے لئے باعث عیب ہو - اسیطرح ھجین اس عربی آدمی کو کہتے تھے جو کسی عجمی عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہو - کیونکہ عرب کے لوگ ایسی اولاد کو عیب دار سمجھتے تھے -(۲)

بعض علمائے لغت نے کہا ہے کہ باندیوں کو سراری بھی اسی غیرت کی وجہ سے کہا جاتا تھا - لسان العرب نے بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سریہ اس باندی کو کہتے ہیں جس سے اس کا مالک متمتع ہوتا ہو - یہ لفظ خلاف قیاس سر کی طرف منسوب ہے جس کے معنی چھپانے کے ہوتے ہیں - کیونکہ لوگ عموماً اس تعلق کو چھپاتے تھے اور اپنی آزاد بیویوں پر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے - بعض اوقات ایک آدمی کی نسل آزاد عورتوں اور باندیوں ، دونوں سے چلتی تھی ، تو آزاد عورتوں کی اولاد ، باندیوں کی اولاد پر فخر کیا کرتی تھی - وہ اسے بڑی عزت کی بات سمجھتے تھے کہ ان میں کسی عجمی عورت کا خون نہیں ہے - امین اور مامون کے درمیان جو کچھ مناقشات گذرے ہیں وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے - دونوں کے دونوں ہارون رشید کے بیٹے تھے لیکن اس کی

(۲) ”ضحی الاسلام“ احمد امین، ج ۱، ص ۲۶ ، قاہرہ ، ۱۹۳۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماں (زبیدہ) ایک عرب نژاد خاتون تھیں اور مامون کی والدہ ایک عجمی عورت تھیں - (۳)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک اعرابی قاضی سوار کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ میرا باپ مر گیا ہے - اس نے ایک تو مجھے اورمیرے ایک بھائی کو چھوڑا ہے - یہ کہکر اس نےایک طرف دو خط کھینچ دئے — پھر کہا کہ — اور ایک ہمارا ہجین چھوڑا ہے (یعنی باندی زادہ) — اور یہ کہکر اس نے دوسری طرف ایک خط کھینچ دیا — اس کے بعد اس نے پوچھا کہ - '' بتائیے، ہمارے باپ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ؟'' قاضی سوار نے جواب دیا کہ — اگر تمہارے سوا اور کوئی وارث نہیں ہے تو ترکہ کے تین حصے کئے جائیں گے اور تینوں کو برابر برابر مل جائے گا ''— اعرابی کہنے لگا کہ - میرا خیال ہے کہ آپ نے میری بات سمجھی ہی نہیں - میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ میرے باپ نے مجھے اور ایک، میرے بھائی کو اور ایک ہجین کو چھوڑا ہے''— سوار نے پھر جواب دیا کہ ہاں ہاں - مال تم تینوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا -'' تو اعرابی نے حیرت سے سوال کیا کہ - کیا ہجین کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا مجھے اورمیرے بھائی کو ملے گا ؟— سوار نے جواب دیا - کہ ہاں ہاں — اس پر اعرابی ناراض ہوگیا اور کہنے لگا کہ - '' معلوم ہوگیا - دھناء میں تمہاری کوئی خالہ نہیں رہتی '' (دھناء کے متعلق مشہور تھا کہ وہاں سب عرب نژاد عورتیں ہی رہتی ہیں - وہاں کوئی باندی نہیں رہتی - اعرابی کا مطلب یہ تھا کہ تم خود بھی کسی باندی ہی کے لڑکے ہو) - (۴)

جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے عبید کلابی سے کہا جو نہایت فصیح و بلیغ لیکن نادار انسان تھے کہ — ''کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم ہجین ہوتے اور تمہارے پاس ایک ہزار جریب زمین ہوتی ''— تو عبید نے جواب دیا کہ - ''میں اس کمینگی کو کسی بڑے سے بڑے عوض میں بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں ''— میں نے ان سے پھر کہا کہ — '' آخر اس میں کیا حرج ہے - امیرالمؤمنین بھی تو ایک باندی ہی کی اولاد ہیں -'' تو عبید

(۳) ایضاً، ص ۸۳
(۴) ایضاً ج ۲، ص ۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے جواب دیا کہ - " جو ایسے امیرالمؤمنین کی اطاعت کرتا ہو خدا اسے روسیاہ کرے — "

ریاشی نے اسی سلسلہ میں کہا تھا :

ان اولاد السراری کثروا یا رب فینا

رب ادخلنی بلاداً لا ارا فیہا ھجینا

(خدایا ! ہم میں باندیوں کی اولاد بہت کثرت سے ہوگئی ہے۔ اے میرے پروردگار ! مجھے کسی ایسے ملک میں پہنچادے جہاں مجھے کوئی ھجین نظر نہ آسکے) -

محمد بن عبداللہ بن الحسن ابن الحسن ابن علی ابن ابی طالب نے ابو جعفر منصور کو عار دلاتے ہوئے لکھا تھا کہ — "تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نہ تو طلیقوں اور لعینوں کی اولاد ہوں (طلیق اور طلقاء وہ لوگ کہلاتے ہیں جو مکہ کے باشندے تھے اور فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے - اس سے غالباً حضرت عباس رض پر طعن ہے) اور نہ میرے اندر باندیوں کا خون ہے اور نہ ہی میں نے باندیوں کی گود میں پرورش پائی ہے — " (۵)

عربی ادب کے مشہور امام مبرد نے اپنی کتاب "الکامل "میں لکھا ہے کہ باندیوں اور عجمی عورتوں سے اولاد پیدا کرنے کو عرب کے لوگ بہت ہی معیوب سمجھتے تھے۔ تا آنکہ ان میں علی ابن الحسین (زین العابدین) قاسم بن محمد اور سالم ابن عبداللہ جیسے لوگ پیدا ہوگئے جو فقہ اور تقویٰ میں تمام اہل مدینہ پر بازی لے گئے - اس کے بعد لوگوں کو باندیوں کی طرف کچھ رغبت ہوسکی - (۶)

ابو حنیفہ دینوری نے اپنی کتاب " الاخبار الطوال " میں نقل کیا ہے کہ جلولاء کی جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا - نیز شرفاء فارس کی بہت سی حسین لڑکیاں گرفتار ہوکر آگئیں - لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت عمر رض فرمایا

۵- ایضاً، ج ۱، ص ۲۷، ۲۸

۶- فجرالاسلام، احمد امین ، قاہرہ، ۱۳۲۵ھ، ص ۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے کہ "خدایا! میں جلولاء کی گرفتار شدہ لڑکیوں کی اولاد سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" چنانچہ حضرت عمر رضہ کا یہ اندیشہ صرف بحرف صحیح ثابت ہوا ۔ صفین کی جنگ میں ان ہی جلولاء کی گرفتار شدہ لڑکیوں کی اولاد کا بڑا حصہ تھا ۔ (۷)

بہر حال ایک طرف تو عربوں کا یہ عام رجحان تھا کہ عجمی عورتوں سے اپنی نسل چلانے کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے وہ عرب نژاد عورتوں ہی کی طرف راغب تھے ۔ لیکن دوسری طرف ایرانی اور رومی عورتوں کا حسن و جمال ان کی نگاہوں کو خیرہ کئے دیتا تھا ۔ علاوہ ازیں عرب عورتوں کے مقابلہ میں ایرانی اور رومی عورتیں تہذیب و تمدن اور علم و فن میں بھی بہت فائق تھیں ۔ لہذا وہ ان سے نکاح کرنے کے شدت سے خواهشمند تھے ۔ مگر یہ عورتیں تعدد ازدواج کو پسند نہیں کرتی تھیں کیونکہ وہ نسل ھا نسل سے وحدت ازدواج کی عادی تھیں اور تعدد ازدواج کا ان کے ھاں کوئی رواج نہیں تھا ۔ لہذا ان کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ پہلے اپنی موجودہ بیوی کو طلاق دے دو ۔ اس کے بعد ہم تم سے نکاح کرسکتی ھیں ۔ عرب نوجوان انھیں خوش کرنے کے لئے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے تھے ۔ لیکن کچھ روز کے بعد جب ان کی عصبیت کی رگ پھڑکتی تھی تو عدت کے دوران اپنی عرب بیویوں سے رجوع کرلیتے تھے ۔ جس کی وجہ سے بعد میں بڑے تنازعات پیدا ہوتے تھے ۔ کچھ عرصہ کے بعد ان ایرانی اور رومی عورتوں کو یہ معلوم ہوا کہ اگر بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے دی جائے تو پھر وہ ھمیشہ کے لئے حرام ھوجاتی ہے ۔ یہ عورتیں نئی نئی اسلام میں داخل ھوئی تھیں انھیں طلاق کی باریکیوں کا اچھی طرح علم تو تھا نہیں ۔ اب ان کی طرف سے یہ مطالبہ ھونے لگا کہ پہلے اپنی موجودہ بیوی کو تین طلاقیں دے دو تو ہم شادی کریں گے ۔ عربوں نے ان کو راضی کرنے کے لئے تین طلاقیں دینی شروع کردیں ۔ مگر یہ تینوں طلاقیں بیک وقت دی جاتی تھیں ۔ جن میں ان کو رجوع کرلینے کا حق پھر بھی حاصل رہتا تھا ۔ چنانچہ جب عربوں کی عصبیت رگ پھڑکتی تو وہ اپنی بیویوں سے اس کے بعد بھی رجوع کرلیتے تھے ۔ اسی قسم کے واقعات جب

۷- ایضاً، ص ۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثرت سے ہوئے تو گھر گھر میں تنازعات پیدا ہونے لگے اور گھروں کا امن و سکون غارت ہو کر رہ گیا ۔ حضرت عمر رضؓ اور دیگر اکابرین صحابہ یقیناً اس صورت حالات کو گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ مسلمان یوں عرب بیویوں کو طلاقیں دے دے کر ان عجمی عورتوں کے جال میں پھنس جائیں۔ طبری رحؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت عمر رضؓ ہی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے :-

''جب قادسیہ کی جنگ ہوئی اور لوگوں کو وہاں مسلمان عورتیں نہ مل سکیں تو انہوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے شادیاں شروع کردیں۔ جب مسلمان عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو حضرت عمر رضؓ نے حضرت حذیفہ ابن الیمان کو خط لکھا — یہ واقعہ ان کو مدائن کا گورنر بنانے کے بعد کا ہے ۔ '' مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے مدائن کی ایک کتابیہ عورت سے شادی کرلی ہے ۔ لہذا اسے طلاق دے دو ۔'' حضرت حذیفہ رضؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ۔ '' میں اس وقت اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا جب تک آپ مجھے یہ نہ بتائیں کہ ایسا کرنا حلال ہے یا حرام ؟ اور آپ کا اس سے مقصد کیا ہے؟'' — تو حضرت عمر رضؓ نے جواب میں لکھا کہ ۔ '' نہیں ، کتابیہ عورت سے نکاح کرنا تو حلال ہے ۔ لیکن عجمی عورتوں میں ایک قسم کی چالاکی ہوتی ہے ۔ اگر تم لوگ ان پر جھک پڑے تو وہ تمہاری عرب بیویوں کے معاملہ میں تم پر غالب آجائیں گی ''۔ حضرت حذیفہ رضؓ نے فرمایا ۔ '' اب ٹھیک ہے ۔'' چنانچہ انہوں نے طلاق دے دی ۔(۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ اور اکابرین صحابہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمان اس کثرت کے ساتھ عجمی عورتوں سے شادیاں کرنے کے لئے اپنی عرب عورتوں کو یوں دھڑا دھڑ طلاقیں دیتے چلے جائیں ۔ جب عرب معاشرہ میں شادی کے قابل نا شادی شدہ عورتوں کی تعداد بڑھنے لگی تو حضرت عمر رضؓ کو اس پر پابندی لگادینی پڑی ۔ کیونکہ اس طرح یہ مسئلہ ایک بڑی معاشرتی پیچیدگی کا باعث بنتا جارہا تھا ۔ حضرت عمر رضؓ اپنی قوم کے مزاج سے خوب واقف تھے ۔ وہ جانتے تھے کہ اگرچہ وقتی جوش

۸۔ بحوالہ اخبار عمر رضؓ، ص ۲۴۰، علی طنطاوی، ناجی طنطاوی، دارالفکر، دمشق، ۱۹۵۹ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماتحت عرب نوجوان عجمی عورتوں کے حسن و جمال کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ لیکن ان کی عربی عصبیت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بالکلیہ عرب عورتوں کو نظر انداز نہیں کرسکتے ۔ ایک ابھرتی ہوئی قوم کے لئے اپنی قومی عصبیت کا تحفظ بھی انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر رض نے اس عربی عصبیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے یہ فائدہ اٹھایا ۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر تین طلاقوں کو نافذ کرکے رجوع کرنے کا حق سلب کرلیا گیا تو پھر یہ لوگ یوں طلاق دینے کی جرأت نہیں کرسکیں گے ۔ اور اس طرح بالواسطہ طور پر عجمی عورتوں سے نکاح کرنے کے رحجان میں بھی خود بخود کمی آجائے گی ۔ لہذا اس صورت حالات کا علاج اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا کہ تین طلاقوں کی اس بھرمار کو روکنے کے لئے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ کردیا جائے ۔ یقیناً اس فیصلہ کے اثرات خاطر خواہ مرتب ہونے چاہئیں تھے ۔ اور یقیناً کثرت طلاق کے اس رجحان کو روکنے میں حضرت عمر رض کے اس فیصلہ نے نمایاں کردار ادا کیا ہوگا ۔ کیونکہ عہد عباس تک ہمیں وہی عربی عصبیت بڑی شدت کے ساتھ کار فرما نظر آتی ہے۔ جس کا زور اموی عہد خلافت تک پوری شدت کے ساتھ قائم رہا اور بالاخر عباسی عہد میں کمزور ہوتا چلا گیا ۔

بہر حال یہ اور اس قسم کے کچھ دوسرے اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فیصلہ فرمانا پڑا تھا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں نافذ کردی جائیں اور ان کو تین طلاقیں شمار کیا جائے ۔ حضرت عمر نے یہ فیصلہ لا محالہ اکابرین صحابہ کے مشورہ ہی سے کیا ہوگا ۔ چنانچہ حضرات صحابہ و تابعین نے اس کے بعد جو فتوے دیئے وہ اس فیصلہ کے مطابق ہی دیئے۔ اور انہیں اصولی طور پر اس فیصلہ کے مطابق ہی فتوے دینے چاہئیں تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک فتوے ہمیں اس کے مطابق ملتا ہے ۔ لیکن ان کے اس فتوے اور روایت میں قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے ۔ روایت میں انہوں نے اس طرز عمل کو بیان فرمایا ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں رائج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوا کرتی تھیں۔ اور اپنے فتوے میں وہ حضرت عمر رض کے فیصلہ کی پیروی فرمارہے ہیں۔ ویسے عکرمہ کی روایت سے ان کا ایک دوسرا فتویٰ خود اس روایت کے مطابق بھی موجود ہے جو ان سے طاؤس نے بیان کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فتویٰ، حضرت عمر رض کے اس فیصلہ سے پہلے کا ہو اور ہوسکتا ہے کہ بہت بعد کا ہو جبکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رض کے خیال میں وہ ضرورت رفع ہوچکی ہو جس کے ماتحت حضرت عمر رض نے وہ فیصلہ فرمایا تھا۔

اس پوری تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ایک وقتی ضرورت اور ہنگامی مصلحت کے ماتحت تھا۔ اور اس کی موافقت میں حضرت صحابہ اور تابعین کے فتاونی صادر ہوئے تھے۔ ورنہ اصل حکم وہی ہے کہ اگر تین طلاقیں بیک وقت دے دی جائیں تو ان کو تین طلاقیں نہیں بلکہ ایک ہی طلاق سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ بقول محمد حسین ہیکل طلاق درحقیقت ایک عمل اور فعل ہے جو وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ کوئی بات یا قول نہیں ہے جسے محض زبان سے بول دیا جاتا ہے''۔ اگر بیوی کے ساتھ آپ کا عقد نکاح یا معاہدۂ نکاح ایک ہے تو جب آپ اس عقد یا معاہدہ کو فسخ کریں گے تو چاہے زبان سے اب اس فسخ کا اعلان ہزار مرتبہ بھی کیوں نہ کردیں وہ معاہدہ ایک ہی مرتبہ فسخ ہوگا۔ طلاق معاہدۂ نکاح کے فسخ کا اعلان ہے۔ یہ کوئی گالی یا کوسنا نہیں ہے کہ اس کے ایک مرتبہ کہنے سے وہ شدت اور دل آزاری نہیں ہوسکے گی جو اس لفظ کے دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہنے سے ہوسکتی۔

خلاصۂ مباحث

اس مضمون کی پچھلی قسط میں ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے طلاقیں صرف تین مرتبہ الگ الگ وقفہ کے ساتھ ہوسکتی ہیں۔ اور ایک عدت کے شروع میں ایک طلاق ہی ہوسکتی ہے۔ پہلی دو مرتبہ کی طلاقوں میں کو رجوع کرلینے کا حق ہوتا ہے۔ اور تیسری مرتبہ کی طلاق میں رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ قرآن کریم کی رو سے کئی کئی طلاقیں (دو یا تین) ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت میں نہیں دی جاسکتیں اور نہ مختصر وقفوں کے ساتھ ہی (ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کر کے) دی جاسکتی ہیں - یہ صورت قرآنی حکم کی روح کو پامال کرنے اور اس کے استخفاف اور استہزاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بیک وقت کئی کئی طلاقیں دے دینے سے بھی بری ہے -

ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں طلاقیں اس طرح دی جاتی تھیں کہ شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دے دی - اگر رجوع کرنا چاہا تو عدت کے دوران میں رجوع کرلیا اور اگر رجوع کرنے کا ارادہ نہ ہوا تو اسے چھوڑے رکھا تا آنکہ اس کی عدت گذر گئی اور وہ شوہر سے جدا ہوگئی - اگر رجوع کرلیا تھا اور آگے چل کر بیوی کے ساتھ پھر نباہ نہ ہوسکا اور شوہر نے دوسری مرتبہ پھر طلاق دے دی تو پھر شوہر کو رجوع کا حق حاصل رہا - اگر اس نے رجوع کرلیا تو فبہا ، ورنہ اسے چھوڑے رکھا تا آنکہ اس کی عدت گذر گئی اور وہ اس سے جدا ہوگئی - اگر دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد بھی رجوع کرلیا تھا مگر مزید تجربہ سے پھر یہی ثابت ہوا کہ نباہ ہونا ممکن نہیں ہے اور شوہر نے تیسری مرتبہ پھر طلاق دے دی تو اب یہ عورت اس شوہر کے لئے حرام ہوگئی - اب شوہر کو نہ اس سے رجوع کرنے کا حق ہے اور نہ تجدید نکاح کا - صحابہؓ کرام اسی طریقۂ طلاق کو پسند فرماتے تھے - اور امام اعظم ابو حنیفہ رح نے بھی اس طریقہ کو بہترین طریقۂ طلاق قرار دیا ہے - ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو اسی انداز سے طلاق دی تھی - چنانچہ انہوں نے پہلی طلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں دی تھی ، دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں .اور تیسری طلاق حضرت عثمان رضی اللہ کے دور خلافت میں -

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ تمام صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہاء نے بالاتفاق (سوائے امام شافعی رح) بیک وقت دو تین طلاقیں دینے کو حرام ، ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے ، لیکن اس کے باوجود ان کی اکثریت اس کی قائل چلی آتی ہے کہ باوجود حرام ، ممنوع اور ناجائز ہونے کے اگر کوئی شخص ایسی حماقت کر بیٹھے تو تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں اور بیوی مغلظہ طور پر شوہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے حرام ہوجاتی ہے کہ وہ نہ اس سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ تجدید نکاح ہی کرسکتا ہے۔ اکثریت کا یہ فیصلہ کیوں ہے؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی بات ثابت ہے جسے اس فیصلہ کی بنیاد قرار دیا جائے؟

مضمون کی اس قسط میں ہم نے اس سے بحث کی ہے۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کوئی فیصلہ موجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاسکتی ہیں، وہ نہ سنداً ثابت ہوتی ہیں نہ محدثین نے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے محدثین نے ان تمام روایات کو ضعیف بلکہ موضوع تک کہہ دیا ہے البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وقتی حالات اور ہنگامی مصالح کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دے دے تو اسے نافذ کردیا جائیگا۔ ہمارے سامنے وہ صورت حالات بھی آچکی ہے، جن کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ ان ضرورتوں اور مصلحتوں کو بھی ہم دیکھ چکے ہیں جن سے مجبور ہوکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں ایسا فیصلہ فرمایا تھا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ آج نہ وہ مصلحتیں اور ضرورتیں موجود ہیں اور نہ ہم اس صورت حال سے دوچار ہیں جو حضرت عمررضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں در پیش تھی۔ صحابہ، تابعین اور ائمہٴ فقہاٴ کی اکثریت کا فیصلہ دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے ماتحت تھا۔ لہذا اگر وہ وجوہ موجود نہیں ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے باعث بنی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ قرآن کریم، سنت رسول، اور قیاس اور مصالح عامہ کو مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہے اور جو فیصلہ وقتی ضروریات اور ہنگامی مصالح کے ماتحت کسی ایک وقت میں ضرورةً کرلیا گیا تھا اسے دوامی حیثیت دے دی جائے۔

ان تمام حقائق پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں اور وقفوں کے ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں نافذ نہ ہونی چاہئیں جیسا کہ حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہٴ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ کے ابتدائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور خلافت میں نافذ نہیں ہوتی تھیں ۔ بلکہ ایک طلاق شمار ہوتی تھیں اور اس کے بعد شوہر کو عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا تھا اور عدت گذر جانے کے بعد طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح کا حق رہتا تھا ۔ یہی اصل حکم ہے ۔ اور یہی قرآن کریم اور سنت رسول سے ثابت ہے ۔ لہذا چونکہ وہ ضرورتیں اور مصلحتیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوگئی تھیں ، اب باقی نہیں رہیں اس لئے ہمیں اس اصل حکم کی طرف لوٹنا چاہئے جو شریعت اسلامی نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے ۔

وما علینا الا البلاغ

ضمیمہ

عربی حوالوں کے متن

(۱) و اجتهد عمر رض فی نص من کتاب الله اجتهاداً نخالفه الیوم فیه : فقد قال الله تعالیٰ (الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان) ثم قال (فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره) و جلی ان المقصود من هذا النص ان یقع الطلاق بالفعل مرة فمرة، و الزوج بعد کل من المرتین ان یراجع زوجته، فاذا طلقها الثالثة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره ـ وکلمة هذا النص واضحة، فالطلاق فصم لحیاة الزوجیة تترتب علیه نتائج خطیرة لکل من الزوجین ، و تتعداهما لابنائهما، و کثیراً ما یسوء اثرها فی هذه الابناء طیلة حیاتهم، لذلک اباح الکتاب مراجعة الزوج زوجته بعد الطلقة الاولی، و بعد الطلقة الثانیة، و اشار الی ان الطلاق یجب ان یسبقه، سعی للتوفیق بین الزوجین فی قوله تعالیٰ (وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما) فا ذاتعذر التوفیق و وقعت الفرقة بالطلاق جازت المراجعة مع ذلک مرتین و لکیلا یستخف ای الزوجین بعد ذلک بفصم عروة الزواج، فرض الکتاب الا یحل الزوج مراجعة زوجته بعد الطلاق الثالث حتی تنکح زوجا غیره۔ فاذا قال الرجل لزوجته انت طالق ثلاثاً۔ لم تکن الا طلقة و احدة لان الطلاق فعل یقع لا قول یلفظ ۔ و کان ذلک الشان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

في عهد النبي صلى الله عليه وسلم و في عهد ابى بكر - جاء في صحيح مسلم عن ابن عباس رض انه قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر وسنتين من خلافة عمر رض طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر ابن الخطاب: ان الناس قد استعجلوا في امر قد كانت لهم فيه اناة، فلو امضيناه عليهم! فامضاه عليهم - كيف رأى عمر ذلك الرأى و امضناه على الناس مع مخالفته ظاهراً لنص و ظاهر الحكمة -؟ يجب لندرك ذلك ان نرجع الى السبب في نزول الاية -

و اكبر الظن ان الذين كانوا يطلقون نسائهم في عهد عمر لم يكونو ارحماء بهن بعد طلاقهن - ذلك ان سبايا العراق و الشام كثرن و افتتن بهن اهل المدينة و اهل شبه الجزيرة فكانوا يسارعون الى طلاق نساءهم مبالغة في ارضاء من شغفت قلوبهم بهن، وكانوا يذكرون الطلاق الثلاث في كلمة و احدة حتى تطمئن ذات الدل على و لعل اسبابا اخرى دفعت جماعة من المسلمين في هذا العهد الاول الى العبث بالطلاق الثلاث استهتاراً و ضراراً - من ذلك ان يتزوج الرجل اخرى عربية او اعجمية من غير السبايا فتشترط عليه ان يطلق زوجته الاولى ثلاثا فلاتحل له حتى تنكح زوجا غيره، فاذا راجعها مع ذلك اثارت مراجعته لها في البيت نزاعاً لا تستقر معه حال ولا تطمئن به حياة -

(۸) لما كانت القادسية و لم يجد الناس نساء مسلمات تزوجوا نساء اهل الكتاب، فلما كثرت المسلمات، بعث عمر ابن الخطاب الى حذيفة، بعد ما ولاه المدائن، بلغني انك تزوجت امراة من اهل المدائن من اهل الكتاب، فطلقها، فكتب اليه: لا افعل حتى تخبرني احلال ام حرام ؟ وما اردت بذلك ؟ فكتب اليه: لا، بل حلال، و لكن في نساء الاعاجم خلابة، فان اقبلتم عليهن غلبنكم على نسائكم - فقال: الان - فطلقها -

© rasailojaraid.com